فقہ واجتہاد
قسط۳، آخری

شیخ سلمان بن فہد العودۃ
مترجم: محمد اسلم صدیق ☆

اجتہاد کا حق دار کون؟

❻ اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر علم کے بات کرنے کی چھٹی صورت

یہ ہے کہ اپنی کشتی کو انسانی معاشروں میں پائے جانے والے ظروف و حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دیا جائے اور نصوص اور احکامِ شرعیہ کو عصری حالات کے تابع کر دیا جائے باوجود اس کہ کہ یہ اشیا اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مخالف ہوں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ در حقیقت حالاتِ زمانہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول اور رسوم و رواج سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ آس پاس کے حالات سے موافقت کرنا اور اُنہیں اپنے حال پر برقرار رکھنا پسند کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی چیز اس کے رسوم و رواج سے متصادم ہو جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی کام لوگوں میں عام رواج پا جاتا ہے اور ان کی زندگی کا لازمی جز بن جاتا ہے تو یہ انسانی فطرت ہے کہ ایسے کام کو حرام یا ناجائز کہنا اس کے لئے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ خود ایسی صورتِ حال سے دو چار ہوتا ہے تو پھر ان حیلوں کو تلاش کرتا ہے جن سے حرام کو حلال کیا جا سکتا ہے تاکہ اسے اس کسک اور کھٹک سے نجات مل سکے جس کو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ دلوں پر واقعی حالات کا غلبہ ہوتا ہے، کیونکہ بعض دلوں کے لئے ایک حالت کو بدل کر کسی ایسی حالت کی طرف تحویل کرنا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی کا باعث ہو، انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

پھر ستم یہ کہ بعض لوگ اس کو نظریۂ ضرورت قرار دے لیتے اور یہ کہتے نظر آتے ہیں: بھائی

www.KitaboSunnat.com

یہ تو ضرورت کا تقاضا ہے۔لیکن ان سے پوچھئے کہ'ضروریات' کی حدود کیا ہیں؟ہم مانتے ہیں کہ "الضرورات تُبیح المحظورات" (ضرورات ناجائز کو جائز کردیتی ہیں) اور یہ بھی مانتے ہیں کہ'ضرورت' کے اپنے احکام ہیں،لیکن یہ بھی یادرہنا چاہئے کہ اس کے لئے کچھ ضابطے اور قوانین بھی ہیں۔ایسے تو نہیں ہے کہ انسان جس چیز کے بارے میں سمجھے کہ وہ اس کا محتاج ہے، اس کو ضرورت اور مجبوری قرار دے لے، بلکہ ضرورۃ کے لئے کچھ شرائط اور ضابطے ہیں جن کا ہونا بہرطور ضروری ہے۔

جب یہ ثابت ہوجائے کہ یہ واقعی ضرورت (مجبوری) ہے، پھر بھی ایک خاص زاویہ کے اندر ہی اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اسے خاص ان لوگوں تک ہی محدود رکھا جائے گا جو اس ضرورت (مجبوری) سے دو چار ہیں۔ایسا نہیں ہوگا کہ اس زاویہ کو وسعت دے کر تمام لوگوں تک متعدی کردیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان بسا اوقات معصیت کا ارتکاب کرلیتا ہے لیکن عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان فوراً اس گناہ سے توبہ کرلے اور کثرت کے ساتھ اللہ سے استغفار کرے، نہ کہ اپنے گناہ کا جواز تلاش کرتا پھرے۔فرق ملاحظہ کیجئے کہ ایک طرف وہ شخص ہے جو گناہ کرتا ہے لیکن فوراً خدا سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے اور یقیناً اللہ اسے معاف بھی کردیتا ہے، کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔دوسری طرف وہ شخص ہے جو گناہ بھی کرتا ہے پھر کتابوں کے بطن سے نص کی تاویل تلاش کرتا ہے تاکہ اس گناہ کا جواز تلاش نکالا جاسکے۔کیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے؟نہیں یہ اس کی خام خیالی ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔میں پوچھتا ہوں کہ بالفرض اس کو کسی کتاب میں اپنے گناہ کا کوئی جواز مل بھی جائے یا کسی عالم کا قول مل جائے جو اس کے معاملہ کو حلال اور جائز قرار دیتا ہے تو بتاؤ کیا اللہ اس سے روزِ قیامت اس کے متعلق سوال نہیں کرے گا؟یقیناً اللہ اس سے محاسبہ کرے گا کیونکہ کتاب اللہ کی محکم آیات اور صحیح وثابت شدہ احادیث اس کام کو ناجائز قرار دے رہی تھیں۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ﴾ (القصص:٦٥)

''اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟''

www.KitaboSunnat.com

یہ سوال کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ جس معصیت میں ہم واقع ہو چکے ہیں، جب اسے چھوڑنے سے بے بس ہو جائیں تو ہمیں اس معصیت کے لئے جواز تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر آج معاشرہ، خصوصاً یورپ میں بے پردگی اور مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع جیسی برائیاں عام ہیں۔ اگر ہم ان برائیوں کا قلع قمع کرنے سے عاجز آ جائیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم ان معصیات اور برائیوں کا جواز تلاش کرنا شروع کر دیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اگرچہ یہ فحاشی برسرعام ہے لیکن ہم اسے حرام سمجھتے☆ ہیں اور اللہ سے دست بدعا ہیں کہ اللہ ان برائیوں کو ختم کرنے کے لئے ہماری مدد فرمائے۔ فرض کریں، ہم بالکل بے بس ہیں تو ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ اگلی نسل آئے گی جس کے ہاتھ سے اللہ ان برائیوں کا قلع قمع کرے گا۔ اگرچہ یہ کہنا بھی درست نہیں لیکن کسی برائی کو ختم کرنے سے عاجز آ جانے کے بعد اس برائی کے درست ہونے کا جواز تلاش کرنا اور اپنے آپ کو مطمئن کر لینا کہ یہ حکم مباح ہے، اس سے کہیں زیادہ برا ہے۔ یہ رویہ ایک مؤمن کے شایانِ شان نہیں اور وہ قطعاً اس کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر دیکھئے کہ یہود آج ارضِ فلسطین میں گھس بیٹھا ہے۔ حالات کچھ ایسے ہیں کہ مسلمان اسے ارضِ فلسطین سے نکالنے میں بے بس ہیں، لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بے بس ہیں، ہماری آئندہ نسلیں آئیں گی جو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یقیناً یہود کو ارضِ فلسطین سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ہم اپنی بے بسی کی بنیاد پر اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیں اور فلسطین کے ایک حصہ پر ان کے قبضہ کو درست مان لیں تو یقیناً یہ جرم ہوگا اور اس کا مطلب اصل حقیقت سے خیانت کے مترادف ہوگا۔ بلکہ ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ ہم فلسطین میں یہود کے وجود سے غافل نہیں اور ہم اُنہیں نکالنے سے عاجز ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہود کے غاصبانہ قبضہ کو درست تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہود کا یہ فعل ایک ڈاکو کے مماثل ہے جو کسی گھر میں گھس کر اس پر قابض ہو جائے اور گھر کا مالک اس کو نکالنے سے معذور ہو تو وہ مجبوراً کہے: ''میرے بیٹے آئیں گے جو تجھے نکالیں گے یا پھر پولیس

www.KitaboSunnat.com

تیرا بندوبست کرے گی اور یاد رکھ کہ یہ گھر ہرگز تیرے قبضہ میں نہیں رہ سکتا کیونکہ توڈاکو ہے جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اس گھر پر قابض ہوگیا ہے۔''

بعض لوگ ابن قیمؒ کی کلام سے دلیل لے کر یہ کہتے ہیں کہ حالات اور عصری تقاضوں کے پیش نظر فتویٰ تبدیل ہوجاتا ہے اور زیر بحث موضوع کا تعلق بھی فتویٰ کی تبدیلی کے باب سے ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں امام ابن قیمؒ کی کلام سے دلیل لینا سراسر غلط ہے کیونکہ فی الحقیقت تبدیلیٔ فتویٰ کے متعلق ابن قیمؒ کا قول ان لوگوں کے دعوے سے سرے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ان کے دعویٰ اور ابن قیمؒ کی کلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے!!

امام ابن قیمؒ نے 'تغیر الفتویٰ' (فتویٰ کی تبدیلی) کے موضوع کو تو ضرور چھیڑا ہے لیکن تغیر الفتویٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کے لئے امام ابن قیمؒ کا قول ملاحظہ کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:

"إن الفتوٰی تتغیر بحسب العوائد والأحوال والأزمنة والأمكنة والنيات"

''بے شک فتویٰ حالات، عصری تقاضوں، زمان و مکان اور نیتوں کی تبدیلی سے بدل جاتا ہے۔'' (اعلام الموقعین:۳/۳)

میں اس موقف کی وضاحت کے لئے چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

بعض اوقات ایک مفتی کسی مسئلہ کے متعلق ایک علاقہ میں کچھ فتویٰ دیتا ہے، لیکن دوسرے علاقہ میں اس سے مختلف فتویٰ دیتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

◉ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ مختلف علاقوں کی بعض عادات واطوار ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر دینار ایک علاقہ میں آٹھ درہم کا ہے تو دوسرے علاقہ میں دس درہم کا ہے اور کسی تیسرے علاقہ میں بارہ درہم کا بھی ہوسکتا ہے۔ تو اب اگر ایک شخص بیس دینار کی نذر مانتا ہے اور وہ ایسے علاقہ میں رہائش پذیر ہے، جہاں دینار دس درہم میں فروخت ہوتا ہے، اور اس کے پاس نذر پوری کرنے کے لئے درہموں کے سوا کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے یہی فتویٰ ہوگا کہ وہ بیس کو دس میں ضرب دے۔ یہ دوسو درہم ہوئے، اسے بطورِ نذر اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔

لیکن فرض کریں کہ اگر یہی سوال ہم سے کسی دوسرے علاقہ میں پوچھا جاتا ہے، جہاں

www.KitaboSunnat.com

دینار بارہ درہم میں فروخت ہوتا ہے اور نذر ماننے والے کے پاس سوائے درہم کے کوئی اور کرنسی نہیں ہے تو یقینی امر ہے کہ یہاں فتویٰ بدل جائے گا، کیونکہ دو علاقوں کے دینار کی قیمت خرید میں اختلاف کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت تبدیل ہوگئی ہے۔ چنانچہ ہم اسے یہ فتویٰ دیں گے کہ وہ بیس کو بارہ میں ضرب دے۔ اس لحاظ سے اسے دو سو چوبیس درہم نکالنے پڑیں گے۔

◉ ایسے ہی طلاق کیلئے استعمال کئے جانے والے مختلف الفاظ کو ہی لیجئے۔ بعض علاقوں میں دستور ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی سے کہے: سامحتُكِ (میں تجھے معاف کرتا ہوں) تو اس کا معنی طلقتكِ (یعنی میں نے تجھے طلاق دی) تصور کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے نجدی معاشرہ میں، خصوصاً عہدِ ماضی میں جب کوئی کہتا: فلان خلیّ امرأته (فلاں آدمی نے اپنی بیوی کو الگ کر دیا) تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔

فرض کریں اگر ہمارے ہاں نجدی معاشرہ کی کسی عورت سے اپنے خاوند کے سامنے کوئی لغزش سرزد ہوگئی تو وہ اپنے خاوند سے کہے: سامحني (مجھے معاف کیجئے) اور خاوند جواب دے سامحتكِ (کہ میں نے تجھے معاف کر دیا) تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس عورت کو طلاق ہوگئی؟ تو یقینی طور پر اس کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں اس کو طلاق نہیں ہوئی، کیونکہ علاقہ نجد میں یہ لفظ طلاق کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ایسے ہی مثلاً کسی علاقہ کے باشندے نہیں جانتے کہ خَلّی کا لفظ طلاق کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ وہاں اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ہاتھ باندھ دے تو وہ خاوند سے کہے: خَلِّنِيْ (یعنی میرے ہاتھ کھول دیں) جس پر خاوند اس کے ہاتھ کھول دے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے عورت کو طلاق ہوجائے گی، اس لئے کہ عرف کے پیش نظر یہاں فتویٰ بدل گیا ہے کیونکہ لوگوں کے ہاں یہ الفاظ مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ رہا نیتوں کا اختلاف تو طلاق اور عتاق (غلام آزاد کرنے) کے مسائل کے ضمن میں اس کی بے شمار مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، البتہ ایک مثال ذکر کئے دیتا ہوں:

◉ بعض علاقوں میں عرب لوگ لفظ حلیب کو دودھ اور دہی کے معنی میں یکساں استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص یہ قسم اُٹھاتا ہے کہ اللہ کی قسم! میں 'حلیب' نہیں پیوں گا تو اس کے لئے دہی کے ساتھ ساتھ دودھ پینے کی بھی ممانعت ہوگی، کیونکہ اس کے معاشرہ میں

www.KitaboSunnat.com

حلیب کا لفظ دہی کے ساتھ دودھ کو بھی شامل ہے۔

لیکن بعض علاقوں میں عرب لوگ حلیب کو دہی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور لَبن کو دودھ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص قسم اُٹھاتا ہے کہ وہ حلیب نہیں پیئے گا تو اس کے لئے 'لبن' دودھ پینے کی ممانعت نہیں ہوگی۔ یہ ہیں وہ احکام جو لوگوں کے عرف، عادات، ان کی نیتوں اور حالات کے مطابق تغیر پذیر ہوتے رہے ہیں۔

◉ ایک مثال اور دیکھئے:

امام ابوحنیفہؒ کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر ایک آدمی گھر خریدنا چاہتا ہے، وہ اس کے صرف ایک کمرہ کا معائنہ کرتا ہے، باقی کو نہیں دیکھتا تو اس کا صرف ایک کمرے کا معائنہ کرنا ہی کافی سمجھا جائے گا اور بیع نافذ ہوجائے گی کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے دور میں گھر کے تمام کمرے ایک سے ہوتے تھے۔ تو گویا اس کا ایک کمرے کا مشاہدہ کرنا ہی کافی تصور کیا جائے گا اور اس پر باقی تمام کمروں کو محمول کیا جائے گا۔ لیکن امام صاحب کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے اس فتویٰ کی مخالفت کی اور کہا کہ صرف ایک کمرہ کا مشاہدہ ہی کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ اس وقت لوگوں کا طریقۂ تعمیر تبدیل ہو چکا تھا۔ لہٰذا اسی کے مطابق فتویٰ کا بدل جانا ایک فطری امر تھا، لیکن کیا اس سے حکم شرعی میں کوئی تبدیلی آئی؟ نہیں شریعت کا حکم بالکل نہیں بدلا، نہ کبھی بدل سکتا ہے، صرف فتویٰ تبدیل ہوا ہے، اس لئے کہ اب وہ بنیاد تبدیل ہوچکی تھی جس پر اس فتویٰ کی عمارت قائم تھی۔ یہ ہے مطلب تبدیلیٔ فتویٰ کا!! اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ آج کے متجددین کے دعوے اور ابن قیمؒ کے موقف کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے!!

☜ یہاں ایک اور مسئلہ ہے جسے علمِ شریعت سے بیگانہ لوگ 'تبدیلیٔ فتویٰ' سے خلط ملط کردیتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ وہ مسئلہ ہے، مجتہد کا اپنے اجتہاد کو بدل لینا۔ اس کی صورت یہ ہوگی: مثلاً آج ایک مفتی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ فلاں کام حرام ہے۔ اس کے بعد وہ اس مسئلہ کے متعلق مزید بحث وتحقیق کرتا ہے تو اس کی رائے بدل جاتی ہے اور اگلے روز وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گزشتہ قول سے رجوع کرتا ہوں۔ جو کل میرے نزدیک حرام تھا، اب میرے لئے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ تو کیا

www.KitaboSunnat.com

اس صورت کو فتویٰ کی تبدیلی کا نام دیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علما اس کو کسی صورت بھی تبدیلیٔ فتویٰ کا نام نہیں دیتے بلکہ اس کو مجتہد کے اجتہاد کی تبدیلی کا نام دیتے ہیں کیونکہ مجتہد کے سامنے جو حقیقت کل منکشف نہیں ہوئی تھی، وہ آج ہوگئی ہے۔ جسے وہ کل حرام سمجھتا تھا، اسے آج مباح سمجھتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ جب اس کے سامنے کسی مسئلہ کا کوئی نیا حکم ظاہر ہو تو مع دلیل اسے لوگوں کے سامنے واضح کرے۔

سلف صالحین حتی کہ صحابہ کرامؓ نے بھی بے شمار مسائل میں اپنے اجتہادات میں تبدیل کی ہے۔ ایک فتویٰ دیا جونہی اس کا مخالف پہلو ظاہر ہوا تو فوراً اس سے رجوع کرلیا۔ بلکہ بعض علما کے بارے تو مشہور ہے کہ جب وہ کسی فتویٰ سے رجوع کرلیتے تو آدمی بھیج کر بازاروں میں یہ اعلان کرواتے کہ

''جس شخص کو ہم نے فلاں، فلاں فتویٰ دیا تھا، اسے چاہئے کہ ہمارے پاس آئے کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق ہماری رائے بدل گئی ہے۔''

◉ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجتہد کے اجتہاد کا بدل جانا، تبدیلی فتویٰ سے بنیادی طور پر مختلف نوعیت کا حامل ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عہدِ رفتہ میں بعض لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ گھڑی جادو کا کرشمہ ہے لیکن آج کوئی ایسا عقیدہ رکھنے والا نہیں ہے، لہٰذا اس مسئلہ کا تعلق بھی تبدیلیٔ فتویٰ سے ہے۔

یہ بات علمی اور تحقیقی گفتگو کے مقابلے میں تقریباً ایک مذاق ہے۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کسی عالم نے یہ کہا تھا کہ گھڑی جادو کا کرشمہ ہے؟ نہیں، یقیناً ایسی بات نہ تھی۔ باقی رہے عوام الناس تو ان پر یہ معاملہ واقعی مشتبہ ہوا، کیونکہ یہ ایک جدید ایجاد تھی۔ اس کے بعد علما نے کتابیں لکھیں اور واضح کیا کہ گھڑی ایک جدید ایجاد ہے، جادو نہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ محققین علما جو فی الواقع محقق ہیں، میں سے کسی نے گھڑی کو جادو قرار دیا تھا۔ تو یہ بات علما کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہے۔

◉ پھر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ غلامی کا مسئلہ بھی تبدیلی فتویٰ کی قبیل سے ہے کہ پہلے

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو غلام بنایا جاتا تھا، پھر علما نے یہ فتویٰ دیا کہ کسی کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی عالم نے فی الواقع غلام بنانے کی حرمت کا فتویٰ مطلقاً نہیں دیا، اس لئے کہ غلامی شریعت کا مسلمہ مسئلہ ہے جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ لہٰذا کوئی مسلمان اس کو بدلنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اسلام میں غلامی کا تصور ہے لیکن اسلام اس کے لئے لوگوں کو اغوا کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کے لئے جہادِ شرعی کا راستہ اپناتا ہے جس میں مسلمان کفار کو غلام بنا سکتے ہیں۔

یہ ہے غلامی کا صحیح اور شرعی تصور، جو کل بھی باقی تھا، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اگر غلامی کا وجود کسی وجہ سے ناپید ہوجائے یا تمام لوگ اپنے غلاموں کو آزادی کا پروانہ دے دیں تو الگ بات ہے، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوگا کہ شریعت کا حکم تغیر پذیر ہوگیا ہے۔ نہیں بلکہ شریعت کا حکم اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے اور اس بارے میں قرآن مجید کی آیات محکم ہیں جن میں نسخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس حکم کو قرآن کریم سے ختم کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔

مذکورہ مثالوں سے آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ حالات کے دباؤ کے سامنے جھک جانا اور نصوصِ شرعیہ کو انسانی مزاج اور ہوائے نفس کے تابع کردینا کتنا سنگین مسئلہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دین الحمدللہ سہل اور آسان ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا فرمان ہے:

''مجھے سیدھا، آسان اور نرم دین دے کر بھیجا گیا ہے۔''

اور آپ ﷺ کو آسانی پیدا کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا، نہ کہ مشکل اور تنگی پیدا کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے بھی دین اسلام میں کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی اور فقہا کہتے ہیں:

''جب معاملہ پیچیدہ ہو تو اس میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔'' اور

''مشقت آسانی کو جنم دیتی ہے۔''

بہرحال یہ ایک طویل موضوع ہے، اصل مقصود یہ ہے کہ یہ کسی صورت بھی درست نہ ہوگا کہ عصری تقاضوں اور حالات کے نام پر دین اور اس کے احکام کا جوا اپنے گلے سے اُتار پھینکا جائے۔ مانا کہ فتویٰ لوگوں کے حالات جس پر فتویٰ کی عمارت استوار کی جاتی ہے، کے

www.KitaboSunnat.com

پیش نظر تبدیل ہوسکتا ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم کسی صورت بھی تبدیلی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ▣

www.KitaboSunnat.com